# تصوف کی رو سے فقیر اور فقیری کا مفہوم

### لیفٹننٹ کرنل محمد اعظم

لفظ "فقر" سے فقیر اور فقراء کے صیغے متعدد مرتبہ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ لفظ فقر کا معنی تنگی، مفلسی، مفلوک الحالی اور غربت کے لیے جاتے ہیں، اسطرح معروف معنی میں ہر غریب محتاج و مفلس شخص کو ہی فقیر کہا جاتا ہے یعنی جس کے پاس اسباب دنیا میں کچھ نہ ہو وہی فقیر ہے، قرآن مجید میں بھی ایک جگہ غنی کے مقابل لفظ فقیر استعمال ہوا ہے جیسے فقیر و غنی اغنیاء (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مالدار ہے وہ غنی کہلاتا ہے اور جو غریب ہے وہ فقیر کہلاتا ہے یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، جب کہ علمائے فقہ نے مصارف زکوٰۃ میں جہاں فقراء، مساکین، غارمین وغیرہ کی تعریف کی ہے وہاں فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ایک وقت (موجود) کے کھانے کے بقدر بقائے زیست ہو لیکن دوسرے وقت کے لئے کچھ بھی نہ ہو وہ فقیر ہے۔ (۲)

اسی طرح فقیر کی جمع فقراء متعدد مرتبہ قرآن کریم میں مذکور ہے، جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تنگدست، مفلس، غریب ہیں اور جو زکوٰۃ، خیرات، صدقات وغیرہ کے مستحق ہیں یعنی متاع دنیا میں سے جنکے پاس کچھ نہ ہو وہی فقراء ہیں۔ شاید اسی معنی و مراد کے پیش نظر بعض متقدمین اور متاخرین فقہا کرام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سید الفقراء والغرباء والمساکین کہنے سے بوجہ اکرام و احترام منع فرمایا ہے۔ کیونکہ فی زمانہ فقیر کا لفظ گداگر کے لیے بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

نیز ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ میدان حشر میں فقیر وہ ہوگا جس نے دنیا میں تو بہت نیکیاں کی ہوں گی مگر بوقت حساب و کتاب وہ سب نیکیاں حقوق العباد کے عوض دے بیٹھے گا اور اس کے پاس کچھ بھی عمل خیر باقی نہیں بچے گا۔ یعنی وہ پہلے تو نیکیوں کے انبار کا مالک تھا پھر مفلس ہوگیا تو ایسے مفلس کو فقیر کہا گیا ہے۔ نیز علمائے لغت نے بھی فقیر کی یہی تعریف کی ہے کہ جو پہلے مالدار ہو پھر کسی سبب سے اس کے پاس کچھ نہ رہا ہو تو وہ فقیر ہے یعنی تہی دست ہو جانے والے کو فقیر کہا جاتا ہے۔

ایک مشہور حدیث ہے جسے صوفیاء کرام اکثر بطور حوالہ پیش کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الفقر فخری یعنی فقر میرا فخر ہے تو یہاں فقر سے مراد معروف معنی تنگی، مفلسی، محتاجی وغیرہ نہیں ہے بلکہ یہاں فقر کا معنی تہی دست یعنی خالی ہاتھ ہو جانا ہی مراد ہوگا اس لیے کہ حضور اکرم کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک وصف محمودہ یہ بھی ہے کہ آپ کے پاس غنائم، ہدایا اور فتوح وغیرہ کی صورت میں جتنا بھی مال آتا وہ شام تک تقسیم کر دیا جاتا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ فقر یعنی خالی ہاتھ ہو جانا ہی میرے لیے فخر ہے۔ اس پر شاہد آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر احد پہاڑ میرے لیے سونے کا ہو جائے تو واللہ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہونگا جب تک اسے تقسیم نہ کر دوں۔ ان توضیحات میں سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ نہ معروف معنی میں تنگدست تھے اور نہ ہی غریب و نادار تھے۔ دوم یہ واضح ہوگیا کہ حدیث و فقہ کی اصطلاحی تعریف میں فقیر اسے کہتے ہیں جس کے پاس ایک وقت میں سب کچھ ہو اور دوسرے وقت میں کچھ نہ ہو۔

لفظ فقیر تصوف میں کب سے اور کیسے داخل ہوا یہ تو واضح نہیں ہے لیکن فارسی لفظ پیر جس طرح صوفیاء کے لیے مستعمل ہوا اسی طرح فقیر بھی پیر کا لاحقہ بن کر صوفی یا مرشد کے لئے پیر فقیر استعمال ہو رہا ہے حالانکہ صوفی و مرشد کے لیے پیر فقیر کا لفظ کوئی معنوی مناسبت نہیں رکھتا۔ پھر بھی پیر کو شیخ کے معنی میں لیا جاتا ہے چہ جائیکہ وہ مرشد چالیس سال کا ہو، بہرحال پیر کے ساتھ فقیر کا لفظ اسلئے استعمال ہونے لگا کہ مرشد بھی اموال دنیا کو چیز سے ہیچ سمجھ کر اس سے بچنے لگے اور پیش آمدہ تمام فتوحات و نذرانے لنگر کی نذر کرنے لگے۔ گویا دنیا سے بے رغبتی کے پیش نظر ان صالح بندوں کو فقیر بھی کہا جانے لگا۔ حضرت خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں۔ فقیر کی شناخت یہ ہے کہ وہ دنیا اور اموال دنیا سے کنارہ کش رہتا ہے اور اچھی آخرت کے لئے اسباب کی تلاش میں رہتا ہے (۳) امام جعفر صادق کا قول بھی ایسے صالحین کے طرز عمل پر صادق آتا ہے کہ فقیر کے خالی ہاتھ صرف درگاہ الٰہی میں پھیلتے ہیں مگر اس کے سوال میں متاع دنیا نہیں بلکہ متاع آخرت کی التجا ہوتی ہے (۴)۔

لفظ فقیر چار حرفوں کا مجموعہ ہے یعنی ف، ق، ی، ر۔ اگر ان حرفوں کو الگ الگ الفاظ کا جامہ پہنایا جائے تو انکی شکل اس طرح بھی بن سکتی ہے ف سے فاقہ۔ ق سے قرآت۔ ی سے یاری یا یاد الٰہی۔ ر سے ریاضت اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

**ف سے فاقہ۔** یہ انسانی فطرت کا لازمہ ہے کہ جب وہ کسی اہم کام کو انجام دینے کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے تو وہ خود کو بھی اور اپنے وقت کو بھی اس کام کے لئے وقف کر دیتا ہے یہاں تک کہ بھوک و پیاس کی بھی پرواہ نہیں کرتا یعنی اس مہم کو سر کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت دیتا ہے تب وہ نیند، غنودگی اور کاہلی سے بچنے کے لئے فاقہ یا بھوک کا سہارا لیتا ہے اور یہ فاقہ یا بھوک اضطراری و اضطرابی نہیں بلکہ خود اختیاری ہوتی ہے۔

ہر انسان اپنی فطرت کے تتبع میں بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتا ہے اور اپنے عقل و شعور سے نیک و بد میں امتیاز کرتے ہوئے وہ ایک راہ کا انتخاب کرتا ہے کبھی تو وہ ماحول و معاشرہ سے متاثر ہو کر بھٹک جاتا ہے اور کبھی وہ اچھی صحبت کے زیر اثر مقصد حیات کو سمجھ کر خالق و معبود کے قرب کی راہ کا سالک بن جاتا ہے فطرت سلیم کا مالک یہی وہ سالک ہے جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی تصور کرتا ہے اس لیئے دائمی حیات کو بہتر سے بہتر بنانے کی جدوجہد کرتا ہے اور یہ یقین کرتا ہے کہ حیات اخروی کا مقصد دیدار الٰہی ہے چنانچہ وہ دنیا میں قرب الٰہی کو آخری منزل تصور کر کے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تب وہ عیش و عشرت کو ٹھکرا کر زہد و ریاضت کی راہ اپناتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا کو محض آخرت بہتر کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسطرح وہ قرب الٰہی کے حصول کے لئے کامیابی سے منازل طے کرتے رہتے ہیں اور بالآخر وہ اپنے مطلوب و مقصود تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

قرب الٰہی کے حصول کے لیئے یہ شرط ہے کہ جہد مسلسل میں سستی نہ آنے پائے تو اس راہ کے سالکین نے نیند، غنودگی اور سستی سے بچنے کے لئے خود اختیاری فاقہ کو اپنے اوپر مسلط کیا اور اپنی اس فاقہ کشی کو روزے کا نام دیا۔ اسکی دلیل انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل سے لی۔ گویا فاقہ کشی بلکہ دائمی روزہ داری اپنے طے شدہ امر کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور صوفی فقیر اس عمل سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس تکلف سے وہ روحانی فوائد حاصل کرتا ہے تو گویا اسکے تقویٰ کی بنیاد خود اختیاری فاقہ کشی اور مسلسل روزہ داری ہے۔

بھی فاقہ، زیادہ جاگنے اور ذکر الٰہی میں زیادہ مصروف رہنے کا موقع فراہم کرتا ہے بزرگان دین محض زندہ رہنے کے لئے (قوت لایموت) کھاتے ہیں اور یہی کم خوری، شب بیداری میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ نے بھوک کی طلب کو کچلنے کے لئے لکڑی کی روٹی اپنے گلے میں لٹکا رکھی تھی۔ غرض کہ عبادت کے لئے شب بیدار رہنے والے صحابہ کرام بھی تلخی

روزے رکھتے تھے اور انکی سحری و افطاری برائے نام ہوتی تھی بلکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔ لہذا صالحین و مرشدین جو فاقہ اپناتے ہیں تو صرف اس لئے کہ ان کے زہد و ریاضت میں تسلسل برقرار رہے اور قرب الٰہی کا حصول ان کے لئے آسان ہو جائے۔

**ق سے قرأت۔** قرب الٰہی کے حصول کا دوسرا ذریعہ یا دوسری ریاضت قرأت ہے، عرف عام میں قرأت پڑھنے کو کہتے ہیں اور جو قرآن کو خوش الحانی سے پڑھتے ہیں وہ قاری کہلاتے ہیں لیکن فقہاء کے عرف میں قاری و مقری اسے کہتے ہیں جو تفہیم قرآن میں گہرا شغف رکھتا ہو اور اسکے مفاہیم و مرادات کو سمجھنے میں خاصہ درک رکھتا ہو۔ یہاں قرأت سے ہماری مراد کثرت تلاوت ہے جسے فقیر اپنا ورد بنا لیتا ہے اور دوران تلاوت یہ تصور کرتا ہے کہ وہ اپنے معبود و محبوب حقیقی سے شرف تکلم حاصل کر رہا ہے وہ اس انداز تکلم کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہی اس کا مقصود بھی ہے اس لئے وہ ہر وقت صراط مستقیم کی ہدایت طلب کرتے ہوئے کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ یعنی اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ نہ ان کا راستہ جو تیرے غضب کا شکار ہوئے اور نہ گمراہوں کا (۵) گویا کہ فقیر اللہ تعالیٰ سے نظری اور عملی ہدایت کی استدعا کرتا ہے اور قرب الٰہی کے حصول کے لیئے اس راستہ پر چلنا چاہتا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا اختیار کردہ راستہ ہے یعنی وہ ان منعم علیھم ہستیوں کے اسوۂ حسنہ کی تصویر بننا چاہتا ہے۔

**ی سے یاری۔** یاری اردو زبان میں دوستی کو کہتے ہیں جبکہ فارسی زبان میں مدد و معاونت بلکہ استعانت کو کہتے ہیں۔ جب یہ فقیر، فاقہ و قرأت کی منزلیں عبور کر کے صرف اللہ سے دوستی کر لیتا ہے اور اپنے جملہ معاملات میں صرف اللہ ہی سے استمداد و استعانت طلب کرتا ہے اور اسے ہی حقیقی کارساز سمجھتا ہے تو وہ یقین کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس کے دل کو قرار اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اس طرح وہ اپنے مقصد حیات کو سمجھ لیتا ہے۔

حب الٰہی میں بھوکا رہنا، شب بیدار رہنا، دست سوال دراز کرنا اپنا شیوہ بنا لیتا ہے، اس کا یہی عمل اسے ولایت کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے۔ یحبونھم و یحبونہ (القرآن) کا سماں بندھ جاتا ہے۔ وہ یاد الٰہی میں مستغرق رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد فرماتا ہے۔ یہی فاذکرونی اذکرکم (القرآن) کی تعبیر ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اپنے ان

فقیروں اور ولیوں کی پہچان ان لفظوں میں کرواتا ہے۔ **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون اللذین امنو و کانوا یتقون** ۔ خبردار بیشک جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ غم زدہ ہوتے ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں (۶) جب فقیر اس مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اس کا اللہ سے رابطہ جڑ جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پیر مہر علی شاہ مجدد گولڑوی نے کہا تھا۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا    گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

یہ فقیر اپنے شب و روز یادِ الٰہی میں صرف کرتے ہیں۔ کبھی ذکر میں کبھی فکر میں کبھی دست بستہ قیام میں کبھی رکوع و سجود میں کبھی تلاوت میں کبھی کسی ریاضت میں غرض اس کی یاد میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ اس کے سوا سب کو بھول جاتے ہیں۔ پھر ان کا جی نہیں بھرتا۔ یعنی ان کی یاری صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ اور اسی کو ہی ہر شے کا حقیقی مالک یقین کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو اسکی چند روزہ امانت سمجھ کر گزارتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی طرف لوٹ جانے کو تیار رہتے ہیں اور اپنے اس عمل کو قرآن کی اس آیت کی تعبیر سمجھتے ہیں الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون۔ جو جانتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً وہ اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (۷)

درحقیقت مالک ہر شے خدا است    ایں امانت چند روزہ نزد ماست

**ر ۔ ریاضت** ۔ ریاض عربی میں باغ کو کہتے ہیں، باغیچہ کو باغ کی شکل میں لانے کے لئے پودوں میں پانی، کھاد اور گوڈی جیسے عمل کو مسلسل جاری رکھنا ہوتا ہے جب تک پودے، پیڑ نہ بن جائیں تو گویا ریاضت نام ہے کسی کام کو بار بار دہرانے اور اس میں تسلسل کو قائم رکھنے کا اسی طرح فقیر بھی فاقہ، قرآت اور یاری جیسے عمل کے ساتھ قربِ الٰہی کے سمندر میں مسلسل غوطہ خوری کرتا رہتا ہے۔ تا کہ اس کی زندگی کے تمام لمحات اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہو جائیں۔ ریاضت کو سمجھنے کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے شعبے ایسے ہیں جس میں ریہرسل کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ ان میں فوج ایک ایسا ادارہ ہے جس میں اس کی اہمیت نسبتاً باقی اداروں سے کچھ زیادہ ہے۔ لیکن یہاں جو مثال پیش کرنا چاہتا ہوں وہ تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے والے ایک قاری کی ہے، ایک اچھا قاری محفل حسن قرآت میں خوب سے خوب تر اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کے لئے مسلسل ریہرسل یعنی مشق کرتا رہتا ہے۔ اس کے لئے وہ کئی کئی گھنٹے مختلف لہجوں اور قرآتوں میں پڑھنے کی پریکٹس کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنی آواز کو سلامت اور خوش الحانی کو قائم رکھنے کے لئے لذائذ دنیا اور چٹخارے دار چیزوں سے پرہیز کرتا ہے تب وہ اپنے فن میں ایسی مہارت اور انداز تلاوت میں ایسا کمال حاصل کر لیتا ہے کہ لوگ اسے نامور قاری اور استاذ القراء تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور وہ خود بھی اپنی محنت کے رنگ کو محسوس کرتا ہے۔

اسی طرح فقیر بھی ریاضت کرتا ہے، شب بھر جاگتا ہے اور مختلف اوراد و اذکار اور عبادات میں مصروف رہتا ہے جن عبادات کو شروع کرتا ہے عمر بھر ان کا اعادہ کرتا رہتا ہے۔ اپنی التجاء و سوالات کے جدید خوبصورت انداز اختیار کرتا ہے۔ جس کا مقصد وحید محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہوتا ہے اور یہ کہ روز قیامت اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جائے۔ اسی لئے فقیر ہر وقت یادِ الٰہی میں مگن رہتا ہے۔ اور اپنے اعمال میں روز افزوں حسن و خوبصورتی پیدا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اسی جدوجہد اور عمل مسلسل کا نام ریاضت ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

وہ حسن ہی نہیں ہے جو ہو جائے مطمئن    وہ عشق ہی نہیں ہے جو ثابت قدم نہ ہو

فقیر جب فقیری کا لباس زیب تن کر لیتا ہے تو پھر وہ حلقۂ یارانِ الٰہی میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکی یاری و دوستی پکی ہو جاتی ہے وہ دنیا سے بے غرض ہو جاتا ہے اور اس کا مطمع نظر آخرت ہوتی ہے ایسے فقیر کو ارباب دنیا الگ نظر سے دیکھتے ہیں اور ارباب نظر اپنی نظر سے دیکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ دوستی کرنی ہے تو اللہ سے کرو جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے **ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر**۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یاری، یاری میں فرق ہے کچھ جلد باز دنیاوی فوائد کے لئے ایسوں سے یاری جوڑ لیتے ہیں جو خود کسی کے محتاج ہوتے ہیں اور بعض کی یاری اس سے ہوتی ہے جسکے سب محتاج ہیں یہی لوگ فقیر ہیں اور یہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔ ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ

ہر جلوے کو دیکھا تیرے جلووں سے منور    ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا
بدست جہاں ہو رہا ہے    ہے یاری بو ہر ایک شے میں

## حوالہ جات

۱۔ سورۃ آل عمران ۱۸۱
۲۔ حاشیہ کنز الدقائق کتاب الزکوٰۃ ص ۲۷۱
۳۔ اشارات فریدی ج ۳ ص ۲۸۰
۴۔ فرمودات امام صادق مطبوعہ ایران
۵۔ سورۃ فاتحہ
۶۔ سورۃ آیت
۷۔ سورۃ بقرہ آیت ۴۶

# خودکشی کا افسوسناک رجحان

## مسئلہ کی شرعی حیثیت، سماجی ومعاشی محرکات وعوامل، گزارشات

**پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن**
چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (حکومت پاکستان)

مغربی ممالک اور دنیا کے دیگر ممالک میں خودکشی کا رجحان (Phenomenon) ہمیشہ ایک خاص تناسب کے ساتھ جاری رہا ہے بلکہ چند سال قبل جاپان میں اجتماعی خودکشی کے واقعات بھی رونما ہو چکے ہیں، لیکن الحمدللہ عالم اسلام اکا دکا نادر الوقوع واقعات کے علاوہ اس لعنت سے ہمیشہ محفوظ رہا ہے اور اس رجحان نے کبھی بھی ایک رویے کی شکل اختیار نہیں کی، لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند ماہ سے تواتر وتسلسل کے ساتھ خودکشی کے سانحات رونما ہوئے ہیں، اور اس افسوسناک رجحان نے معاشرے کے اجتماعی ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے، اور اہل فکر ونظر نے اس مسئلے کی سنگینی پر توجہ دی ہے۔ سطور ذیل میں ہم اس افسوسناک رجحان کے شرعی پہلو، سماجی ومعاشی محرکات وعوامل اور منفی اثرات پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں اور ارباب حل وعقد اور اہل نظر کی توجہ کیلئے چند اہم گزارشات پیش کریں گے۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے:

اسلام کی رو سے انسان اپنی جان کا مالک ومختار نہیں ہے، انسان کی جان اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اسکی ودیعت وامانت ہے، انسان کو صرف اس جسم وجان کے تصرف واستعمال کا اختیار دیا ہے اور اس کیلئے شریعت نے حدود وقیود بھی مقرر فرمادی ہیں، اسی تصرف اختیاری پر جزا وسزا کا مدار ہے۔ انسان چونکہ اپنے جسم وجاں کا مالک نہیں ہے، اس لئے اسے اپنی جان یا کسی عضو کو تلف کرنے، کاٹ پھینکنے یا فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، یہ تمام افعال وتصرفات ممنوع اور حرام ہیں، جان لینے اور تلف کرنے کا

اختیار صرف اسی قادر مطلق اور خالق ازل کا ہے جس نے یہ جان تخلیق فرمائی ہے، وہ جب چاہے اپنی اس امانت کو واپس لے سکتا ہے، کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) "اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (بقرہ:۱۹۵)"۔

(۲) "اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے (النساء:۲۹)"۔

خودکشی گناہ کبیرہ ہے:

اسلام میں خودکشی گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب جہنم کا سزاوار ہوگا، دنیا میں تو وہ ایک مرتبہ اپنی جان تلف کرتا ہے، لیکن اس کی سزا کے طور پر اسے طویل عرصے تک اور لاتعداد بار اس اذیت سے گزرنا پڑے گا، غور فرمایئے اس کا انجام کتنا ہیبت ناک اور ہولناک ہے، صحیح مسلم کتاب الایمان میں حدیث ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی آہنی ہتھیار سے خودکشی کرے تو جہنم میں وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس ہتھیار سے ہمیشہ جہنم میں اپنے آپ کو زخمی کرتا رہے گا، اور جو شخص زہر سے خودکشی کرے گا، تو وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا، اور جو شخص کسی پہاڑ (یا بلند وبالا عمارت ومینار) سے گر کر خودکشی کرے گا تو وہ (اس عمل کی سزا کے طور پر) ہمیشہ جہنم (کے گہرے گڑھوں) میں گرتا رہے گا"۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی اپنی قوم کے ایک شخص کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے، ان کا وہ ساتھی مدینہ طیبہ میں بیمار ہوگیا، جب بیماری کی تکلیف اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کے نتیجے میں اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون بہہ نکلا کہ اسی سبب سے اس کا انتقال ہوگیا، حضرت طفیل نے اسے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا، لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے ہوئے تھے، حضرت طفیل نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟، اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی برکت سے بخش دیا، حضرت طفیل نے پوچھا: یہ ہاتھ تم نے کیوں لپیٹے ہوئے ہیں؟، اس نے جواب دیا: "مجھے (ذات باری تعالیٰ کی جانب سے) یہ کہا گیا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے، اسے ہم درست نہیں کریں گے، حضرت طفیل نے جب یہ خواب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بیان کیا، تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! (میرے) اس صحابی کی ہاتھوں کی خطا کو بھی معاف فرما"۔ غور فرمایئے وہ شخص تو صحابی رسول تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے ہجرت کے شرف سے نوازا تھا، بلاشبہ اس نے موت سے پہلے اپنی اس خطا پر صدق دل سے توبہ بھی کر لی ہوگی، اور حضور انور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے توبہ قبول بھی ہوگئی، لیکن اس کے باوجود اس گناہ کبیرہ وقبیحہ کی علامت کے طور پر اس کے ہاتھ لپیٹے

ہوئے تھے، یعنی اپنی اصلی حالت پر صحیح سلامت نہیں تھے، اس لئے انہوں نے اس عیب کو چھپانے کیلئے انہیں لپیٹ رکھا تھا، اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وسیلۂ شفاعت سے ان کی کلی مغفرت فرمادی، لیکن صحابیت، ہجرت اور دیدار مصطفی ﷺ کا شرف رکھنے والا آج کے دور میں تو کوئی نہیں ہوسکتا۔

## زیست نعمت ربانی اور موت اختیار خالق:

پس اسلام کی رو سے زیست نعمت باری تعالیٰ اور موت اختیار خالق ہے، یہ دونوں امور بندے کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کیلئے پیدا کیا کہ تم میں سے کس کا عمل سب سے بہتر ہے (الملک:۲)"۔ جو حیات کو پیدا کرنے والا ہے، اسے سلب کرنے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے، اس لئے حدیث پاک میں موت کی تمنا کرنے اور موت کی دعاء کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، کون جانتا ہے کہ آنے والے لمحات میں کسی کیلئے خزانۂ قدرت میں کون سی خیر مستور ہے، چشم فلک نے بارہا لوگوں کے حالات کو پلٹتے ہوئے، تنگدستی کو فراخی رزق سے، اذیت کو راحت سے، مرض کو صحت سے، ضعف کو قوت سے اور محکومی کو اختیار واقتدار سے بدلتے دیکھا ہے، کوئی کیونکر فرض کرلیتا ہے کہ آنے والے کل کے دامن میں اس کے لئے امید کی کوئی کرن، چین کا کوئی ذرہ، راحت کا کوئی لمحہ اور کامیابی وکامرانی کی کوئی نوید جانفزا نہیں ہے، غیب کا علم تو ذات باری تعالیٰ کو ہے، اس لئے کوئی شخص زندگی کی کلفتوں سے اگر بہت زیادہ اکتا گیا ہے، اسے اپنی کم ہمتی، کوتاہ بینی اور بے بضاعتی کی وجہ سے اگر موت ہی کی دامن میں عافیت نظر آتی ہے اور وہ ناامیدی کی اس انتہا کو پہنچ گیا ہے، تب بھی اسے علی الاطلاق موت کی دعاء کی اجازت نہیں دی گئی، حدیث پاک میں ہے:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو کوئی دکھ اور مصیبت پہنچی ہے تو اس کے باعث موت کی تمنا بالکل نہ کرے، اور اگر وہ لازماً کرنا ہی چاہتا ہے تو (مستقبل کا حال اور علم اللہ کے سپرد کرکے) اسے چاہئے کہ یوں کہے، اے اللہ! (تیرے علم کے مطابق) جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے تو تو مجھے (اس وقت تک) زندہ رکھ، اور جب (تیرے علم کے مطابق) میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے (ایمان کی) موت عطا فرما، (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ)"۔

قرآن وحدیث کے ان صریح ارشادات کی روشنی میں کوئی صاحب ایمان خودکشی کا تصور بھی نہیں کرسکتا، یہ تو وہ کرے جسے یقین راسخ ہو کہ موت واقع ہونے کے ساتھ ہی فوز وفلاح اور راحت وسکون کی کوئی اعلیٰ منزل اس کی منتظر ہے، لیکن نصوص قطعیہ سے جب یہ بات ثابت ہے کہ نار جہنم کے شعلے اس کے منتظر ہیں، تو اسے اس فعل قبیح کا سوچنا بھی نہیں چاہئے۔

# خودکشی کے محرکات وعوامل

## دینی شعور وآگہی کا فقدان:

ہمارے معاشرے میں حال ہی میں رونما ہونے والے خودکشی کے رجحان اور اس لہر کا سب سے بڑا سبب دینی تعلیمات سے دوری ہے اور دینی شعور وآگہی کا فقدان ہے، اور حکومت کے زیر کنٹرول سب سے مؤثر میڈیا، الیکٹرانک میڈیا ہے، وہ فحاشی، عریانی، تشدد، دہشت اور شر کے فروغ میں تو ہمہ وقت مصروف ہے، صحیح دینی شعور کی آگہی پیدا کرنا اس کی ترجیحات میں نہیں ہے، اور ہمارے پرنٹ میڈیا کا رول بھی زیادہ قابل رشک نہیں ہے، لہٰذا سب سے اولین ترجیح دینی شعور وآگہی کے فروغ کو دینی چاہئے، کیونکہ ہمارے معاشرے میں خودکشی کا مرتکب شخص اپنی عاقبت کو تو برباد کرتا ہی ہے، اپنی ذات سے وابستہ کئی دوسرے افراد کی زندگیوں کو بھی ناقابل برداشت اذیت اور لاینحل مسائل سے دوچار کردیتا ہے۔

## معاشی مسئلہ:

خودکشی کے بہت سے واقعات کے پس پشت بے روزگاری، تنگ دستی، فاقہ کشی اور معاشی محرومیوں کے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری وقت کے اہل اقتدار پر ہوتی ہے، اس کے بعد معاشرے کے ان طبقات پر جو چند سو یا چند ہزار افراد یا خاندانوں پر مشتمل ہیں لیکن ملک کے اسی فیصد وسائل پر قابض ہیں، اور بدقسمتی سے ہمارے اہل اقتدار بھی اس طبقے کا حصہ بلکہ سرخیل ہیں۔ اسلام ارتکاز دولت کے خلاف ہے کہ چند لوگ سارے وسائل پر قابض ہوں اور لوگوں کی اکثریت "قوت لا یموت" سے بھی محروم ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ایسا نہ ہو کہ (ساری دولت) مالداروں ہی کے درمیان گردش کرتی رہے (الحشر:۷)"۔

اسلام دولت اور وسائل رزق کی تقسیم کا حکم دیتا ہے تاکہ ان کا فیض ساری انسانیت کے لئے عام ہو، اسلام کا اگر ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا مالک ومختار نہیں بلکہ صرف متصرف ہے، مال ودولت کے بارے میں بھی اس کا نظریہ یہی ہے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے جس نے اسے تخلیق کیا ہے، انسانوں کی طرف ملکیت کی نسبت مجازاً ہے، اور دولت کے کمانے، جمع کرنے اور خرچ کرنے کے لئے حلال وحرام اور فضل واحسان کے بڑے جامع اصول اسلام نے عطا کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور (آخر) کیا سبب ہے کہ تم (اپنی دولت کو) راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ (درحقیقت) اللہ ہی کی ملکیت ہے، (الحدید:۱۰)"۔ اور اسلام یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ غرباء کو اس نظریے سے جذبۂ تکبر وتفوق کے ساتھ نہ دو کہ تم ان پر احسان کررہے ہو، بلکہ یہ سمجھ کر دو کہ تمہارے مال میں ان کا حق ہے جو تم انہیں لوٹا کر اپنے دینی فریضے سے عہدہ برا ہورہے ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ان (اہل ثروت) کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے، (الذاریات:۱۹)"۔ اور دوسرے مقام

پر فرمایا: "اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے، پس جن کو فضیلت دی گئی ہے، وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزاق اپنے غلاموں (اور زیردستوں) کو لوٹا دیا کریں، تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں، (النحل: ۷۱)"۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، تو اسے ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقراء کی طرف لوٹا دیا جائے، (صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ)"۔

جب نظام مملکت وحکومت میں تقسیم دولت کا منصفانہ اور عادلانہ نظام نہیں ہوگا، تمام تر وسائل دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائیں گے تو معاشی ناہمواریاں اور محرومیاں جنم لیں گے، اور اسی طرح کے سانحات رونما ہوتے رہیں گے اور خدانخواستہ یہ حالات طبقاتی تصادم پر بھی منتج ہو سکتے ہیں، مغربی ممالک میں بھی ارتکاز دولت اور سرمایہ دارانہ نظام اپنے عروج پر ہے لیکن وہاں بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی ہر شہری کے لئے ممکن یا لازمی بنادی گئی ہے اور تعلیم، معاش اور ترقی کے ہر میدان کو مسابقت (Competition) کیلئے کھلا رکھا گیا ہے، میرٹ اور اہلیت پر اقرباپروری، رشوت کی گرم بازاری اور لوٹ کھسوٹ کو ترجیح نہیں دی گئی، یہ خرابیاں ان کے ہاں بھی بلاشبہ ہیں لیکن قابل برداشت حد تک۔

### سماجی مسئلہ:

ان سانحات کا ایک سبب ہمارے متضاد رویوں پر مبنی سماجی حالات ہیں، گھریلو ناچاقیاں اور شادی کے مسائل پر والدین اور اولاد کی ترجیحات کا ٹکراؤ ہے، اور ان معاملات میں ایثار، تحمل (Tolerance)، ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے مطابقت پیدا کرنے (Adjustability) سے کلی انکار اس کا سبب ہے، ایک طرف ہمارے ہاں کافی حد تک آزاد روی رائج ہو گئی ہے، بیشتر تعلیمی اداروں اور بالخصوص اعلیٰ تعلیمی اداروں میں نظام تعلیم مخلوط ہے، رہی سہی کسر ٹی۔وی نے پوری کر دی ہے، بلکہ اس نے تو غضب ہی ڈھا دیا ہے اور اب ہماری دیہی آبادی کا غالب حصہ اس کی زد میں ہے، یہ وہ فحاشی ہے جو جبراً مسلط کر دی گئی ہے، ممکن ہے کچھ لوگ اپنے دل کو یوں تسلی دیتے ہوں کہ ہماری بچیاں نقاب اوڑھ کر جاتی ہیں، بلاشبہ اخلاقی تنزل کے اس دور میں یہ بہت بڑا جہاد ہے اور بڑے اجر کی بات ہے لیکن جہاں انہیں جانا ہے، وہاں تو ماحول بے حجاب بلکہ بے قابو ہے، جبکہ ماحول میں ایمان و عرفان اور نورانیت کی بہاریں اپنی اوج کمال پر تھیں، اس عہد مبارک میں احتیاط کا عالم کیا تھا، ملاحظہ کیجئے: "حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں کہ نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم حاضر خدمت ہوئے، حضور نے فرمایا: "تم دونوں پردہ کرو"، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ او وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں رہی ہو؟ (جامع

ترمذی: کتاب الادب)"۔

لہٰذا میری والدین سے دردمندانہ گذارش ہے کہ وہ اولاً تو اپنی اولاد کی دینی و اخلاقی تربیت پر بچپن سے توجہ دیں، انہیں حالات اور ماحول کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیں، شادی کے مسئلے میں فقہ حنفی کی رو سے اولاد کی رضامندی ضروری ہے، اور والد سرپرست (ولی) کے حقوق کا بھی کافی حد تک تحفظ کیا گیا ہے، دونوں میں کافی حد تک توازن ہے، اگر رشتے کے سلسلے میں بیٹے یا بیٹی کا انتخاب اپنا ہے اور وہ درست ہے تو اسے قبول کیجئے، نامناسب ہے تو دلائل سے اپنی اولاد کو قائل کیجئے، اگر وہ تسلیم کر لیں تو آپ کی خوش نصیبی اور ان کی سعادت مندی ہے، اور نہ مانیں اور کسی صورت نہ مانیں تو ذہنی مطابقت کی صورت پیدا کیجئے، عالم شباب میں بلاشبہ انسان جذبات کی زد میں بہہ جاتا ہے، اس کی غلطی کا امکان اسی فیصد تک ہو سکتا ہے تو والدین بھی تو خطا سے معصوم نہیں ہیں، بیس فیصد غلطی کا امکان ان کے فیصلے، رائے اور اجتہاد میں بھی ہو سکتا ہے، اور اس کی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں، لہٰذا جہاں عقل جواب دے جائے، وہاں معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے، اور اس کی تقدیر پر راضی وشاکر ہو کر مفاہمت و مطابقت اور ایثار کا ماحول پیدا کرنا چاہئے، گزشتہ سال بھر میں کتنے ایسے واقعات اخبارات کی زینت بنے، والدین، خاندان اور خود بچیوں کی رسوائی ہوئی، قتل و تشدد تک نوبت آ پہنچی، لیکن ناکامی و نامرادی اور رسوائی کے سوا کیا ہاتھ آیا۔

### خودکشی کے ہر واقعے کا انفرادی تجزیہ ضروری ہے:

یہ ضروری نہیں کہ خودکشی کے ہر واقعے کے پیچھے ایک ہی نوعیت کے عوامل کارفرما ہوں، حقائق تک رسائی کیلئے ہر واقعے کا جداجدا سائنٹیفک تجزیہ ضروری ہے، ہو سکتا ہے بعض واقعات کے پیچھے قتل عمد کا سنگین جرم کارفرما ہو اور خودکشی کی عام لہر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمال عیاری سے اسے خودکشی کا رنگ دے دیا گیا ہو، ماضی میں بعض جھوٹے قتل کے واقعات کا ذہانت سے تعاقب کیا گیا تو وہ دانستہ انتقامی قتل کے واقعات نکلے، مغربی ممالک میں فارمولا تفتیش کی روش سے ہٹ کر ہمیشہ ہر سانحے یا اہم واقعے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ اکثر کامیابی پر منتج ہوتی ہے۔

### خودکشی کی راہ اختیار کرنے والوں سے گزارش:

خودکشی پست ہمتی، بزدلی، قنوطیت (Desparateness)، یاس و حرمان اور بے عملی کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ بحیثیت مجموعی معاشرے کے تنزل، پژمردگی، اضمحلال اور احساس شکست کی آئینہ دار ہے، یہ کسی صحت مند معاشرے کی علامت ہرگز نہیں ہے، انسان کی اصل متاع اور اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ایمان و ایقان، عزم و ہمت، جذبۂ عمل اور بدی کی قوتوں سے زبردست قوت مزاحمت ہے۔ شکست خوردہ ذہنیت کے حامل لوگ خودکشی کی راہ پر چل پڑتے ہیں، کیونکہ ان میں زندگی کے حقائق اور